۲۷، ۲۸ کی رویتِ ہلال

(فرامینِ امام احمد رضا اور زیجات کی روشنی میں)

تحریر

خلیفۂ حضور مفتیِ اعظم، امامِ علم و فن

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، انڈیا

ناشر

ادارہ عرفان التوقیت

فون نمبر: 3531226 332 92+

fb.com/ilmetauqeet

پہلی قسط

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم امابعد

کچھ اہل قلم اپنے مضامین میں لکھتے اور اہل خطابت اپنی تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ جنرل ایوب خاں کے دورحکومت میں پاکستان میں تشکیل دی ہوئی ہلال کمیٹی بذریعۂ ہوائی جہاز ہلال کا مشاہدہ کر کے شہادت پیش کرتی تھی اور پاکستان میں اسلامی عبادات وتقریبات اِسی شہادت کی بنیاد پر منائی جاتی تھیں، مگر جب غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتیِ اعظم ہند کا یہ فتویٰ وہاں پہنچا تو ہلال کمیٹی تحلیل کر دی گئی، اس فتویٰ کی عبارت بحوالۂ مقالات نعیمی، حصہ اول، ص ۷ درج ذیل ہے:

"چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی حکم شرع دے گا، چاند کو سطح زمین، یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیے، رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے، کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷ر، ۲۸ر، کو بھی نظر آ سکتا ہے، تو کیا ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا، ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ر کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔"

اور تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۵۱۴ پر ہے کہ ''جب یہ فتویٰ پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی اور تمام اخباروں میں اس کو جلی خط میں شائع کیا گیا، اگلے مہینے میں حکومت کی طرف سے ۲۷ر اور ۲۸ر تاریخ کو جہاز کے ذریعے اس بات کی تصدیق کر لی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا، تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔''

مندرجہ بالا فتویٰ اور پاکستان میں بذریعۂ ہوائی جہاز ایک ہی مہینے کی ۲۷ر، ۲۸ر تاریخ کو ہلال کا مشاہدہ کرنا دونوں ہی باتیں لفظ و معنی کے اعتبار سے میرے نزدیک محلِ نظر ہیں، نہ فتوے کی زبان و بیان غوث العالم سیدنا سرکار مفتیِ اعظم ہند کی ذات سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی ۲۷ر، ۲۸ر تاریخوں میں ہلال کا مشاہدہ علم وفن کے معیار پر صحیح اترتا ہے۔ علم وفن کا معیار آگے پیش کروں گا، فی الحال قارئین کرام غور فرمائیں کہ

(۱) فتویٰ میں لکھا گیا ہے کہ ''رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے۔''

فتویٰ میں چونکہ احکامِ شرع بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً: فرض، واجب، سنت، مستحب، جائز، ناجائز، حلال، حرام، مکروہ اور ممنوع، صحیح، معتبر، غیر معتبر وغیرہ وغیرہ؛ اس لیے فتویٰ کی زبان و بیان کے اعتبار سے یہاں ''غلط'' کے بجائے یوں کہنا چاہیے کہ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ صحیح نہیں، یا اس جیسا دوسرا لفظ ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ غلط کا معنی عام طور پر یہ آتا ہے کہ خلاف واقعہ ہے اور خلاف

واقعہ کا معنی یہاں قطعاً درست نہیں، کیونکہ جہاز پر سے لوگ آئے دن چاند دیکھتے رہتے ہیں، ہاں یہ الگ بات ہے کہ معتبر ہے، یا نہیں۔

(۲) فتویٰ میں ہے ''اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو''۔۔الخ

بھلا غور کیجیے جہاز اڑا کر چاند دیکھنے کی شرط کس نے ٹھہرائی ہے؟ عہد رسالت سے آج تک لوگ جہاز اڑائے بغیر چاند دیکھتے رہے، کسی نے جہاز اڑانے کی شرط نہیں ٹھہرائی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار کے ذہن میں بات کچھ اور تھی اور تعبیر کچھ کر گئے۔ تشریح یہ ہے کہ بلندی پر جانے کی کئی صورتیں ہیں، زینہ بہ زینہ جیسے: قطب مینار کی آخری منزل تک یا پھر بذریعۂ لفٹ، جیسے: امریکہ وغیرہ میں سو ڈیڑھ سو منزلہ بلڈنگ تک پہنچنا، یا پہاڑی راستوں کو طے کر کے جیسے: کوہ ہمالہ کی چوٹی تک پہنچنا، یا پھر ہوائی جہاز سے فضائی مقامات تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ، فتویٰ نگار کو ان تمام بلندیوں سے فضائی بلندی کی رویت ہلال کے بارے میں غیر معتبر بتانا ہے؛ اس لیے وہ کہنا چاہتے تھے کہ ''اگر ہوائی جہاز سے بلندی پر جا کر چاند دیکھنا درست ہو تو، مگر وہ اس مفہوم کو اس طرح تعبیر نہ کر سکے، جس سے ان کی مراد ادا ہوتی، بلکہ وہ یہ کہہ گئے کہ ''جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو۔ الخ''یعنی یہ شرط بلندی پر پہنچنے کی تھی، لیکن یہ شرط فتویٰ نگار نے رویت ہلال کے لیے کر دی، ہاں اگر وہ یوں کہتا تو اس کی مراد ادا ہو جاتی، ''بشرط پرواز چاند دیکھنا درست ہو تو۔۔''

(۳) فتویٰ نگار نے لکھا ہے کہ ''تو کیا ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا، اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا'' مذکورہ بالا جملہ میں ''نہ ہی'' کا لفظ واضح طور پر دال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ نہیں ہے، بلکہ ماسبق میں مذکور ایسے جملہ پر عطف ہے، جس میں حکم سلبی لفظاً مذکور ہے، اور یہاں کوئی ایسا جملہ نہیں، بلکہ ماسبق میں جملہ انشائیہ بطور استفہامِ انکاری ہے، جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر بے تاویل، صحیح نہیں؛ اس لیے یہاں اس قسم کی عبارت ہونی چاہیے تھی ''تو کیا ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں!! اور نہ ہی کوئی عاقل اِس کا اعتبار کرے گا۔''

بہرحال اس قسم کی جھول جھال عبارت کی نسبت کبھی بھی سرکار مفتیِ اعظم ہند کی طرف وہ لوگ نہیں کر سکتے جنھوں نے حضرت کی نظم ونثر کو دیکھا ہے الموت الاحمر، سامان بخشش، وغیرہ کی زبان اور اس فتویٰ کی زبان میں ایسا فرق معلوم ہوتا ہے، جیسے لکھنؤ اور بلوچستان کے دو آدمیوں کے درمیان گفتگو ہو رہی ہو۔

یہ واقعہ ایوب خان کے دور کا بتایا جاتا ہے، جبکہ اس دور میں بندۂ ناچیز خود مفتیِ اعظم ہند کی کفش برداری میں بریلی شریف میں قیام پذیر تھا، نہ ہم نے کسی سے سنا اور نہ اس کی بھنک معلوم ہوئی، نہ کوئی ایسا اخبار دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسی گرم خبر پھیلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد اچانک یہ باتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئیں، کچھ علمائے کرام کو اس کا کھٹکا ضرور ہوا، لیکن

اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ فرما سکے۔

میری نگاہ میں چونکہ یہ باتیں نہ صرف بے بنیاد تھیں، بلکہ علم وفن کے خلاف بھی تھیں، اس لیے شمالی ہند کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے نکلنے والے رسالے ''ماہنامہ اشرفیہ'' ماہ ستمبر ۱۹۹۸ء میں میرا مضمون بعنوان ''۲۷ر، ۲۸ر تاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ'' شائع ہوا، ہم نے اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ اس قسم کے مضمون کو فتویٰ کا نام دے کر سیدی مرشدی غوث العالم سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی طرف نسبت کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور ساتھ ہی اس کے وجوہ پر بھی روشنی ڈالی تھی، جو ماہنامہ اشرفیہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر قارئین کو ماہ ستمبر کا شمارہ دستیاب ہو جائے تو اس کو پہلے پڑھ لینا اچھا ہے[1]۔

ہمارے اس مضمون سے جہاں کہیں لوگوں کو ذہنی سکون ہوا وہیں ہمارے بعض احباب کے حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، موقع کے لحاظ سے ایسی لہر کا پیدا ہونا فطری بات بھی تھی، کیونکہ یہ مسئلہ اس قدر مشہور اور لوگوں کے دل میں راسخ ہو چکا تھا کہ لوگ اس کے خلاف کچھ سننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے، لیکن بندۂ ناچیز یہ خیال کرتے ہوئے کہ خدانخواستہ اگر کبھی بھی یہ بات اُٹھ

---

[1] یہ مضمون اِسی عنوان سے ہمارے فیس بک پیج **fb.com/ilmetauqeet** پر موجود ہے۔

کھڑی ہوئی تو حق بات سے آگاہ ہونے کے باوجود ہم بے زبان ہو کر رہ جائیں گے؛ اس لیے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی یہ واضح کر دیا جائے کہ میرے سرکار کی طرف اس فتوے کا انتساب قطعاً صحیح نہیں ہے۔ سیدنا سرکار مفتیٔ اعظم ہند جہاں غوثیت مآبی نگاہ رکھتے تھے، وہیں ان کی نگاہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات پر بھی تھی؛ اس لیے آپ سے کبھی بھی ایسی کوئی بات نہیں سنی گئی جو امام احمد رضا کی نگارشات سے متصادم ہو، ادھر ہم نے اپنے احباب سے یہ عرض کر دیا کہ آپ حضرات پاکستان سے رابطہ قائم کریں، وہاں کی حکومت کی تحویل میں اس کا ریکارڈ ضرور محفوظ ہوگا، اخبارات کے تراشے منگائیں اور اصل فتویٰ کا فوٹو اسٹیٹ طلب کریں، اگر یہ ساری باتیں فراہم ہو جائیں تو ہم کو اپنے مضمون کو مسترد کرنے میں کوئی تردد نہ ہوگا، بصورت دیگر ہم کچھ اور معروضات پیش کریں گے، جن سے میرے موقف کی مزید وضاحت ہو جائے گی، مگر اب تک کوئی ایسی بات نہیں پیش کی گئی، جس کی وجہ سے مجھے اپنے مضمون کو مسترد کرنا ضروری ہوتا، ہاں! ہمارے بعض احباب نے میرے مضمون کو سرسری طور پر ملاحظہ کرنے کے بعد نہایت ہی جھلسانے والا انداز اختیار کر کے ہماری ہوا خیزی کرنا چاہی؛ اس لیے مجبور ہو کر ہم ان احباب کی خدمت میں یہ دوسرا مضمون اس لیے پیش کر رہے ہیں تاکہ ہمارے موقف کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

یہاں یہ بات بھی میرے ان احباب کو ملحوظ رکھنی چاہیے تھی کہ اس

پاکستانی مسئلہ میں جو لوگ اس کی حقانیت پر اصرار کرتے اور انتساب کو صحیح بتاتے ہیں وہ لوگ اصولاً مدعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں چونکہ انتساب کا انکار کرتا اور واقعہ کی صحت پر اعتماد نہیں رکھتا؛ اس لیے میرا موقف سائل کا موقف ہے، اصرار کرنے والے حضرات کے لیے مجھ پر طعن و تشنیع کرنے کے بجائے یہ ضروری تھا کہ لوگ دلائل و براہین سے مدعا ثابت کرتے اور ہمارے شبہات کے پرخچے اڑا دیتے، لیکن افسوس کہ اصول سے ہٹ کر محض افتاد طبع کی بنیاد پر طعن و تشنیع کو اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ان حضرات کو یہ سوچنا چاہیے کہ ان کا یہ طریقہ اور انداز داد و تحسین کے پھول کے بجائے دامن میں خس و خاشاک بھر دینے والا ہے۔ کاش!! جتنا وقت انھوں نے مجھے برا بھلا کہنے اور کوسنے میں لگایا وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں ہی کے مطالعے میں لگاتے تو تلخ نوائی کے بجائے ہم نوائی کا دم بھرتے۔

ہم نے اپنے مضمون سابق میں لکھا تھا کہ مُساہلہ کے پیش نظر تدقیقات ریاضیہ سے صرف نظر کیا گیا ہے، لیکن اب۔۔۔ مزید چند باتوں کو پیش کر رہا ہوں۔

فلک کے اوپر دو فرضی دائرے پورب، پچھّم (مشرق، مغرب) ایسے مانے گئے ہیں کہ دونوں باہم ۵/درجے اور ۲۲/دقیقے پر تقاطع کریں، ان میں سے ایک منطقۃ البروج (zodiacal circle) اور دوسرا منطقۃ المائل (inclined moon orbit) کہلاتا ہے۔ منطقۃ البروج آفتاب کی ذاتی چال کا راستہ ہے اور منطقۃ المائل ماہتاب (چاند) کی ذاتی چال کا راستہ ہے، دونوں

کے نقطۂ تقاطع میں سے ایک راس اور دوسرا ذنب کہلاتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب (چاند) کی ذاتی چال سے جب دونوں کے مابین محاذات راس، ذنب، یا اس کے آس پاس ہوتو اس وقت کسوف یعنی سورج گہن ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی مقام پر ہوتو یہ محاق اور اجتماعِ نیرین کہلاتا ہے اور جب اجتماع سے قمر آگے بڑھتا اور چاند سورج کے مابین مخصوص دوری ہوتی ہے تو رویت ہلال ممکن ہوجاتی ہے۔

آفتاب اپنے خارج المرکز پر روزانہ یکساں 59 دقیقے، 8 ثانیے، 20 ثالثے، (0°59'08"20''') کی رفتار سے پورب (مشرق) کی طرف رواں دواں رہتا ہے، لیکن جب منطقۃ البروج کی طرف نسبت کرتے ہوئے آفتاب کی رفتار دیکھی جاتی ہے تو وہ روزانہ یکساں نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کم، کبھی زیادہ اور کبھی برابر ہوتی ہے، شرح چغمینی میں ہے **"انهالما كانت تدور على محيط دائرة مركزها خارج عن مركز العالم كان فى احد نصفى فلك البروج اكثر من نصفها و هو النصف الذى فيه اوجها وفى النصف الأخر من فلك البروج اقل من نصفها وهو النصف الذى فيه الحضيض"** (ص ۷۷)

نیز اسی شرح چغمینی میں ہے **"ولما كانت الشمس تقطع من فلك البروج فى كل يوم تسيا مختلفة"** (ص ۱۲۳)

اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے حساب دانوں نے منطقۃ البروج

(zodiacal circle) پر ایک ایسا فرضی آفتاب مان لیا، جس کی چال اصلی آفتاب کے برابر ہو، اصلی آفتاب جتنی مدت میں خارج المرکز کے مرکز پر زاویہ بناتا ہو اتنی ہی مدت میں فرضی آفتاب مرکز عالم پر زاویہ بنائے۔ اگر اصلی آفتاب خارج المرکز پر دس درجے چلے تو یہ فرضی آفتاب بھی منطقۃ البروج پر دس درجے چلے، اگر اصلی آفتاب سو درجے چلے تو فرضی آفتاب بھی منطقۃ البروج پر سو درجے چلے اور جب اصلی آفتاب کا دورہ کامل ہو تو فرضی آفتاب کا بھی دورہ کامل ہو جائے اور پھر اس فرضی آفتاب کی رفتار کو اصلی آفتاب کی طرف منسوب کر کے حساب لگاتے رہتے ہیں، تو گویا اب اصلی آفتاب کی بہ نسبت منطقۃ البروج کی دو رفتاریں ہوگئی، ایک تو وہ جو روزانہ کم وبیش ہوتی رہتی ہے اور ایک یہ جو روزانہ یکساں رہتی ہے؛ پہلی رفتار کو تقویمی حرکت اور دوسری رفتار کو وسطی حرکت کہتے ہیں، اسی طرح کا کچھ حال قمر کے ساتھ بھی ہے، اس لیے اس کی بھی دو حرکتیں، ایک تقویمی اور ایک وسطی ہوتی ہے۔ آفتاب کی وسطی حرکت یومیہ 59 دقیقے، 8 ثانیے، 20 ثالثے، (0°59'08"20''') اور قمر کی وسطی حرکت یومیہ 13 درجے، 10 دقیقے، 35 ثانیے اور 2 ثالثے (13°10'35"02''') ہے۔ دونوں کے مابین تفاضل (12°11'26"44''') درجے قمر کے سبق کی رفتار ہے، آفتاب سے ماہتاب (چاند) روزانہ اسی رفتار سے پورب (مشرق) کی طرف آگے بڑھتا رہتا ہے، اسی مفہوم کو حضرت علامہ عبدالعلی برجندی نے شرح زیج سلطانی میں دوسری

طرح تعبیر فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''چوں خطے از مرکز عالم خارج شود وموازی خطے کہ از مرکز خارج مرکز آفتاب رفتہ قوسی از منطقۃ البروج ابتدا از اول حمل بر توالی تا طرف خط اول آنرا وسط آفتاب گویند وقوسی ہم از مرکز عالم بمرکز آفتاب گزرد آنرا تقویم گویند وچوں خطے از مرکز عالم خارج شود و بمرکز تدویر قمر گزرد و بمنطقہ مایل رسد قوسی از منطقہ مائل را ابتدا از اول حمل تا طرف خط بر توالی وسط قمر گویند و خطے کہ از مرکز عالم خارج شود و بمرکز قمر گزرد و دوائر عظیمہ فرض کنند کہ بطرف ایں خط و بر دو قطب بروج گزرد و منطقۃ البروج را بر دو نقطہ تقاطع کند قوسی را از منطقۃ البروج ابتدا از اول حمل تا آں تقاطع مذکور کہ بقمر اقرب بود تقویم قمر گویند و اجتماع وسطی آنست کہ وسط آفتاب و وسط قمر بحسب برج و اجزا یکے شوند (ص ۳۴) اور اگر باعتبار رویت اجتماع ہو تو اجتماع مرئی کہلاتا ہے جس سے سورج گہن ہو جاتا ہے۔

حرکت تقویمی کے اعتبار سے جو حالات پیدا ہوتے ہیں وہ حقیقی کہلاتے اور حرکت وسطی کے لحاظ سے جو احوال ہوتے ہیں وہ وسطی کہلاتے ہیں؛ لہٰذا یوم حقیقی، یوم وسطی، اجتماع حقیقی، اجتماع وسطی، ماہ قمری وسطی، ماہ حقیقی شمسی، ماہ شمسی وسطی پر سارے حالات مندرجہ بالا ضابطہ کے تحت درج ہیں اور جب حقیقی اور وسطی میں سے کسی کو دوسرے میں تحویل کرنا مقصود ہوتا ہے تو تعدیلات سے کام لیا جاتا ہے۔

اجتماع حقیقی سے دوسرے اجتماع حقیقی کی مدت کو ماہ قمری کہتے اور اجتماع وسطی سے دوسرے اجتماع وسطی کی مدت کو ماہ وسطی کہتے ، بارہ ماہ حقیقی کے مجموعہ کو سال قمری حقیقی اور بارہ ماہ وسطی کے مجموعہ کو سال قمری وسطی کہتے ہیں۔ ایک برج کو آفتاب جتنی مدت میں بحرکت وسطی طے کرتا ہے اسے ماہ وسطی شمسی کہتے اور ایک برج کو آفتاب جتنی مدت میں بحرکت تقویمی طے کرتا اس کو ماہ حقیقی شمسی کہتے ہیں اور چونکہ آفتاب کی حرکت تقویمی اور وسطی کا دورۂ کامل برابر ہوتا ہے؛ اس لیے شمسی سال وسطی اور حقیقی برابر ہوتے ہیں، جس کی مدت میں اختلاف ہے جیسا کہ حاشیہ شرح چغمینی میں مذکور ہے، لیکن عام طور پر ۳۶۵/ دن اور ۶/ گھنٹے کا مانا جاتا ہے۔

ماہ قمری وسطی کی مدت ۲۹/ دن ، ۱۲/ گھنٹے اور ۴۴/ منٹ ہوتی ہے۔ شرح زیج سلطانی میں ہے۔ ''اگر آں وضع اجتماع وسطی بو وبست و نہ روز و دوازدہ ساعت و چہل و چہار دقیقہ است و اگر اجتماع حقیقی بودگا ہے باندک ازیں مدت زیادت باشد و گاہے کمتر و نادر بود کہ موافق باشد'' (ص) ماہ شمسی وسطی کی مدت ۳۰/ دن ، ۱۰/ گھنٹے ، ۲۹ منٹ اور ۱۲/ ۱/ سیکنڈز ہوتی ہے۔ حاشیہ شرح چغمینی میں ہے۔ ''فالشھر الشمسی الوسطی ابدا یکون ثلثین یوما وعشر ساعات وتسعا وعشرین دقیقۃ و نصف سدس دقیقۃ والشھر الشمسی الحقیقی قد یزید علیہ وقد یساویہ وقد ینقص (ص ۱۲۸) اور شرح زیج سلطانی میں ماہ شمسی کے متعلق درج ہے کہ'' مقدار سی

درجہ از منطقۃ البروج کہ حضیض آفتاب بر منتصف آں باشد آفتاب آں را در مدت بیست و نہ روز و نہ ساعت حقیقی تقریباً قطع کند و ایں اقصر زمان مدت سیر آفتاب است سی درجہ را کہ یک برج است ومقدار سی درجہ مقابل آں را در مدت سی و یک روز و دوازدہ ساعت تقریباً قطع کند و ایں اطول مدت سیر آفتاب است مرسی درجہ را (ص ۵) اور زیج بہادر خانی میں ماہ قمری حقیقی کے متعلق یوں درج ہے" ماہ ہائے حقیقیہ قمریہ بسبب سرعت حرکت تقویمی قمر وبطوے شمس حوالی اجتماع بے شبہ اصغر باشد از مقدار ماہ وسطی و غایت ایں قصر از سیزدہ دقیقہ یوم بلیلہ متجاوز نمی شود پس مقدار شہور صغریٰ بست و نہ روز وثلث یوم تقریباً می باشد و ایں کسر گاہے بربع یوم نمی رسد بلکہ ابداً از اید از ربع می باشد وعلی ہذا القیاس ہر گاہ حوالی اجتماع قمر بطی شود وشمس سریع لازم آید کہ زمانہ ماہ حقیقی قمری زاید باشد از ماہ قمری وسطی و ایں زیادتی ہم قریب سیزدہ دقیقہ یوم بلیلہ است، پس غایت مقدار ماہ عظمیٰ بست و نہ روز و سہ ربع یوم می باشد و ایں کسر گاہے بچہار خمس نمی رسد بلکہ کمتر از اں می باشد" (ص ۵۰، ۵۱)

خلاصہ یہ ہے کہ وسطی مہینوں کی مقدار متعین اور منضبط ہوتی ہے اور حقیقی مہینوں کی مقدار نہ متعین ہوتی ہے اور نہ منضبط: اس لیے حساب داں وسطی اعتبار سے اپنا عمل کرتے اور تعدیلات کے ذریعے حقیقی معلوم کر لیتے ہیں۔ آئندہ مضمون میں حسابات، یا لفظ اجتماع وغیرہ کا استعمال بمعنی وسطی ہوگا۔ وسطی اور حقیقی میں

چونکہ برائے نام فرق ہوتا ہے؛ اس لیے ہماری مراد پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لیکن شریعت مطہرہ میں نہ تو ماہِ قمری حقیقی پر حکم ہوتا ہے، نہ ہی ماہِ قمری وسطی پر، بلکہ حکم ماہِ قمری ہلالی پر ہوتا ہے، جس کی مدت کبھی ۲۹ ر یوم اور کبھی ۳۰ ر یوم ہوتی ہے۔ شرح زیج سلطانی میں ہے" واگر آں وضع ہلالی بود مدت دوراوگاہے بست و نہ روز باشدوگاہے سی روز" ص ۵ فتاویٰ رضویہ میں ہے" اہل شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رویت ہلال گیرندوآں ہرگز ازسی روز زیادہ نہ باشدو ازبست و نہ روز کمتر نے (جلد دوازدہم ص ۳۰)"

البتہ یہ ضرور ہے کہ غرۂ وسطیہ (new moon) سے پہلے غرۂ ہلالیہ (visible new moon) نہیں ہوتا، فتاویٰ رضویہ میں ہے "بداہۃً واضح کہ رویت ہلال اجتماع قمرین (time for new moon) سے ایک مدت معتد بہا کے بعد واقع ہوتی ہے، تو غرۂ ہلالیہ (visible new moon) کبھی غرۂ وسطیہ (new moon) سے مقدم نہ آئے گا۔ **وانهاغاية التساوى**" (جلد دوازدہم ص ۴۲۴)

شرح زیج سلطانی میں تشریح کی گئی ہے کہ بوقت غروبِ آفتاب، قمرین کے مابین معدل النہار کی قوس کی مقدار کو "بُعد معدل" اور منطقۃ البروج کی قوس کی مقدار کو "بُعد سواء" کہتے ہیں، اسی کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں

ارشاد ہے کہ ''اور حسب قول متعارف اہل عمل رویت کے لیے کم از کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہیے'' حاشیہ شرح چغمینی للعلامہ عبدالعلی البرجندی میں ہے ''المذکور فی الکتب المشہور انہ ینبغی ان یکون البعد بین تقویمی النیرین اکثر من عشرۃ اجزاء وقیل ینبغی ان یکون مابین مغاربیھا عشرۃ اجزاء او اکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدار ثلثی ساعۃ او اکثر والمشھور فی ھذا الزمان بین اہل العمل انہ ینبغی ان تحقق الشرطان حتی یمکن الرویۃ ویسمون البعد الاول بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدل'' شرح زیج سلطانی میں ہے ''باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یا زیادہ و بعد میان تقویم ایشاں از دہ زیادہ باشد تا ہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان این است'' (فتاویٰ رضویہ، جلد دوازدہم، ص ۴۲۵)

زیج بہادر خانی میں ہے ''اگر ہر یک از بعد معدل و بعد سواء از دہ درجہ زیادہ نہ باشد دریں صورت ہلال اصلاً دیدہ نشود و ماہ موجود سی روزہ باشد و اگر بعد معدل میان دہ درجہ و دوازدہ درجہ باشد و بعد سواء از دہ درجہ بیشتر بود دریں صورت ہلال باریک تواں دید و اگر بعد معدل میان دوازدہ و چہاردہ درجہ باشد ہلال معتدل دیدہ شود و اگر از چہاردہ بیشتر باشد ہلال بزرگ و ظاہر تر باشد'' (ص ۵۵۷)

جہاز سے پرواز کر کے ہلال دیکھنے کی حاجت اس وقت ہوگی، جبکہ ہلال

ابتدائی حد پر واقع ہو اگر ہلال حد رویت سے زیادہ فاصلے پر واقع ہو تو بحسب زیجات اس کی رویت واضح ہو گی، تو پھر ہوائی جہاز سے پرواز کرنے کی کیا حاجت؟ اب فرض کیجیے کہ کسی مقام میں بتاریخ ۲۹ر بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آجائے تو بفرمان امام احمد رضا کہ ''غرۂ ہلالیہ (visible moon) کبھی غرۂ وسطیہ (new moon) سے مقدم نہیں ہوتا'' اس کا صاف مطلب ہے کہ غرۂ وسطیہ ہو گیا اور غرۂ ہلالیہ کے لیے بُعد معدل اور بُعد سواء کی مذکورہ شرطیں لازمی ہیں؛ اس لیے بوقت غروب آفتاب اس دن بُعد معدل اور بعد سواء دس درجے سے ضرور زائد ہو گا، اور چونکہ قمر اتنی دوری کو تقریباً ایک دن رات میں طے کرتا ہے؛ اس لیے ماننا پڑے گا کہ ۲۸ر کی شام کو قمر حالتِ اجتماع میں تھا اور ۲۷ر تاریخ کو قمر آفتاب سے پچھّم (مغرب) ہونے کی وجہ سے آفتاب سے پہلے ہی غروب ہو گیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ۲۸ر تاریخ کو بوجۂ اجتماعِ قمرین (conjunction) اور ۲۷ر تاریخ کو بوجۂ غروبِ قمر رویت ہلال قطعاً محال، **کمالایخفی۔**

زیر بحث فتویٰ میں کہا گیا ہے ''کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے۔'' قطعاً غلط اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے، فتویٰ کے الفاظ گو صورۃً ضابطہ و کلیہ نہیں، لیکن معنوی اعتبار

سے یقیناً یہ کلیہ ہے اور اس عبارت سے کلیہ ہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اس میں کسی سن، کسی ماہ، کسی جگہ کی کوئی تعین نہیں، بلکہ ہر ماہ، ہر سال، ہر جگہ بلندی سے چاند نظر آ سکتا ہے، کیونکہ وہ غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اگر ایک جزئی بھی کلیہ کے خلاف ہو تو وہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے، حالت اجتماع اور بوقت غروب کی صورت پیش کی گئی، اس سے یقیناً یہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے؛ اس لیے یہ کلیہ سراسر باطل ہے، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ ایسا کلیہ ہے جو اپنے جزئیات میں سے کسی بھی جزئی پر نہیں ۔۔۔۔شرعی مہینے کبھی ۳۰/ اور کبھی ۲۹/ کے ہوتے ہیں لیکن ۳۰/ کے مہینے کا ثبوت رویت ہلال پر مبنی نہیں، وہ تو خود **اکملوا العدۃ ثلثین** ہی سے ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے رویت ہلال کا مسئلہ صرف ۲۹/ والے مہینے سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۹/ تاریخ کی شام کو قمر کے حد رویت پر ہونے کے لیے بوقت غروب آفتاب تین شرطیں ضروری ہیں:

(۱) ہلال افق کے اوپر ہو

(۲) نیرین کے مابین بُعد معدل دس درجے سے زائد ہو

(۳) نیرین کے مابین بُعد سواء دس درجے سے زائد ہو

اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو رویت کا وقوع ہو یا نہ ہو، لیکن رویت ہلال حدِ امکان میں آجاتی ہے اور دنیا میں کہیں رویت ہو بھی سکتی ہے اور غرۂ ہلالیہ (visible moon) ضرور ہو جاتا ہے اور اگر رویت نہیں ہوتی پھر بھی غرۂ

وسطیہ (new moon) ہو جاتا ہے، ہلالیہ نہیں ہوتا، مثلاً اسی ۱۹۹۹ء کی جنوری میں ماہِ عید کے ہلال کا مسئلہ لیجیے، مطلع صاف ہونے کے باوجود دنیا میں چند جگہ ہی سے رویت کی اطلاع ملی۔

پہلی شرط تو اس لیے کہ اگر بوقت غروبِ آفتاب ہلال افق کے اوپر نہ رہے تو پھر کیا زمین چیر کر رویت ہو گی؟

دوسری اور تیسری شرط دو غرض کے لیے مانی جاتی ہے:

اول یہ کہ چاند کے دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کا باہم تقاطع ہو سکے۔

دوم یہ کہ بوقت غروبِ آفتاب، قمر آفتابی شعاعوں کی صولت سے دور رہ کر اپنا مکھڑا دکھا سکے،۔

اگر بُعد معدل اور بُعد سواء کی مشروط مقدار نہ پائی جائے تو چاند اور سورج باہم قریب ہونے کی وجہ سے آفتابی شعاعوں کی صولت اور سورج کی تیز کرنوں کی جلالت میں ہلال کا مکھڑا گم ہو جائے گا، تو پھر ہلال کیسے نظر آئے گا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ ''غروبِ شمس سے ۲۰ رمنٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صولت ہوتی ہے کہ عادۃً انتیسویں (۲۹ رویں) کا چاند بھی نظر آنا ممکن نہیں۔'' (بحوالہ فقہی بصیرت، ص ۱۵۱)

دائرۃ النور اور دائرۃ الرؤیۃ کے تقاطع کو اس طرح سمجھیں کہ رویت ہلال خواہ ۲۹ رکی ہو یا ۳۰ رکی، دائرۃ النور اور دائرۃ الرؤیۃ کے باہم تقاطع سے

چاند کے چار حصے ہو جاتے ہیں، دو حادے اور دو منفرجے۔

(۱) چاند کا زیریں حصہ جو ناظر کے سامنے ہلالی صورت میں نظر آتا ہے، چاند کا یہ حصہ دائرۂ رویۃ اور دائرۂ نور دونوں کے تحت ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا وہ بالائی حصہ جو ہلالی صورت کے مقابل ناظر کے مخالف سمت ہوتا ہے، چاند کا یہ حصہ نہ دائرۂ رویت کے تحت ہوتا ہے، نہ دائرۂ نور کے تحت ہوتا ہے۔

(۳) چاند کا وہ ٹکڑا جو چاند کا غربی حصہ ہوتا ہے وہ دائرہ نور کے تحت ہوتا ہے دائرۂ رویت کے تحت نہیں۔

(۴) چاند کا وہ حصہ جو چاند کے شرقی حصہ میں واقع ہوتا ہے وہ صرف دائرہ رویت کے تحت ہوتا ہے، دائرہ نور کے تحت نہیں۔

پہلے دونوں ٹکڑے حادے اور پچھلے دو ٹکڑے منفرجے ہوتے ہیں، چونکہ دائرہ رویت کا تعلق ناظر سے ہے؛ اس لیے ناظر کے مقامات بدلنے پر حصہ تقاطع کی ضخامت کم وبیش ہوتی جائے گی، ناظر کے زمین پر ہونے، یا پستی پر جانے، یا بلندی پر پرواز کرنے کی وجہ سے چونکہ دائرۂ رویت کی پوزیشن بدلتی رہتی ہے؛ اس لیے ناظر جوں جوں اوپر پرواز کرتا جائے گا، اسی تناسب سے دائرۂ رویت کا زیریں حصہ اپنی جگہ سے ہٹ کر پورب (مشرق) کی طرف کھسکتا جائے گا اور اسی تناسب سے بالائی حصہ بھی اپنی جگہ سے پچھّم (مغرب) کی طرف کھسکتا جائے

گا اور دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کے تقاطع سے پیدا شدہ ہلالی صورت حادہ سے احد ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کا تقاطع ختم ہو کر حالت تطابق پیدا ہو جانے کی وجہ سے چاند اور سورج کے مرکز اور ناظر تینوں ایک خطِ مستقیم پر ہو جائیں گے اور اس طرح ناظر کے لیے سورج گہن کا منظر سامنے آجائے گا اور اگر ناظر زمین چھوڑ کر پستی میں پہنچ جائے اور زمینی حجاب واقع نہ ہو تو اس کے برعکس ہلالی صورت کی مقدار بڑھ جائے گی اور اگر ناظر شمس وقمر کے مابین پہنچ جائے تو بدر کامل کا منظر سامنے آجائے گا۔

بُعد معدل اور بُعد سواء کی متعینہ مقدار، چونکہ اس میں ناظر کی وضع کو کوئی دخل نہیں ہوتا؛ اس لیے چاند سورج کو جہاں سے بھی دیکھا جائے، اس کے مابین کی دوری میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ایک میل کی اونچائی ہو، یا دس ہزار میل کی بلندی، خواہ فلک زحل کی بلندی، کہیں سے بھی دیکھیں یہ دوری اپنی جگہ برقرار رہے گی، اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا، چونکہ بوقت غروب یہی دوری قمر کو آفتابی شعاعوں کی صولت سے محفوظ رکھتی ہے؛ اس لیے اہلِ حساب نے یہ بتایا کہ اگر بُعد معدل اور بُعد سواء دس درجے سے زائد ہو تو رویت کا امکان ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں، لیکن اس صورت میں اگر ناظر بلندی کی طرف پرواز کرنے لگے تو جس قدر بلندی پر جاتا رہے گا، اسی اعتبار سے ماہتاب (چاند) کا زیریں حصہ جو ہلالی صورت میں نظر آنے کا امکان رکھتا، اب اس کے ہاتھ سے امکان بھی جاتا رہے گا؛ یعنی رویت کا

امکان خفیف سے خفیف تر ہوتا رہے گا اور آخر میں امکان معدوم ہو جائے گا، اس لیے زیر بحث مسئلہ میں یہ پہلو نکالنا کہ ۲۷ر، ۲۸ رتاریخ میں اگرچہ حصہ تقاطع رویت معتادہ کی مقدار پر نہیں ہوتا، لیکن کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کی وجہ سے ایسی وضع پیدا ہو جائے کہ وہ ہلالی صورت جو زمین سے نہیں حاصل ہوتی وہ بلندی پر حاصل ہو جائے ، دراصل یہ قوت واہمہ کا فریب ہے۔

رہی یہ بات کہ پھر لوگ کیوں رویت ہلال کے لیے اونچی جگہ مثلاً مکان کی چھت، یا پہاڑ اور ٹیلہ کے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور پاکستانی حضرات کیوں جہاز سے بلندی پر جاتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہ بُعد معدل اور نہ بُعد سوا کی مقدار بڑھانے جاتے اور نہ تقاطع کا حصہ زیادہ کرانے جاتے، بلکہ رویت معتادہ کی حد تک پہنچا ہوا ماہتاب (چاند) کبھی زمینی حجابات مثلاً اونچے مکانات، یا اونچے درخت اور کبھی فضائی حجابات مثلاً ابر باد یا گرد باد کی زد میں آجاتا: اس لیے لوگ اونچی جگہ پہنچ کر ہلال کا مشاہدہ کرتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند رویت معتادہ کی حد پر اس وقت آتا، جبکہ غروب ہو رہا ہو، یعنی جب افق کے زیادہ اوپر تھا تو اس حد پر نہیں تھا اور جب اس حد پر آیا تو افق کے قریب پہنچ گیا، تاکہ ان کی نگاہ قدرے افق کے نیچے پہنچ کر رویت معتادہ کی حد تک پہنچے ہوئے ہلال کو دیکھ لے، الغرض بلندی پر جانا اس لیے ہوتا ہے کہ حد تک پہنچے ہوئے ہلال کا مشاہدہ

کرے ؛ اس لیے نہیں ہوتا کہ ہلال کو حد تک پہنچا دیا جائے ، بہر حال یہ باتیں (اوسطاً) ۲۹ ر دن ، ۱۲ ر گھنٹے اور ۴۴ ر منٹ کے بعد ہی ہوتیں ، ۲۸ ر تاریخ کو چونکہ غروب آفتاب کے وقت قمر حالت اجتماع یا حوالی اجتماع میں ہوتا ، جس کی وجہ سے لگ بھگ ساتھ ہی غروب کرتا اور ۲۷ ر تاریخ کو قمر آفتاب سے تقریباً ۱۲ ر درجے پچھّم (مغرب) ہوتا ، جو تقریباً ۴۸ ر منٹ پہلے غروب ہو جاتا ؛ اس لیے ۲۸ ر یا ۲۷ ر تاریخ کو رویت ہلال نہ زمین سے ہو سکتی اور نہ ہوائی جہاز سے ہو سکتی ہے ؛ اس لیے فتویٰ کا کلیہ قطعاً صحیح نہیں ، یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اجتماع کی وضع ، یا وہ وضع کہ جس میں قمر سورج سے پچھّم (مغرب) واقع ہو تو ان اوضاع میں ہلالی حصہ نمودار بھی نہیں ہوتا اور نہ ہلالی حصہ نظر آ سکتا ہے ، بلکہ ان اوضاع میں چاند بھی نظر نہیں آ سکتا ؛ اس لیے کہ اگر چہ ناظر کے بلندی پر جانے کی وجہ سے زمینی افق کے بجائے فضائی افق پیدا ہو جاتا ہے ، جس کی وجہ سے غروب شدہ قمر افق کے اوپر آ جاتا ہے ، لیکن اس صورت میں چونکہ سورج بھی فضائی افق پر آ جاتا ہے ، جس کی تیز شعاعوں میں چاند گم ہو جاتا ہے ، ہاں ! اگر چاند حد رویت پر ہو جیسے ۲۹ ر تاریخ کو ، تو چونکہ یہاں ممکن ہے کہ سورج فضائی افق کے نیچے ہو اور قمر اس کے اوپر ؛ اس لیے یہاں رویت ممکن ہے۔

اب تک جتنی باتیں درج ہوئیں وہ تو علم وفن کی باتیں تھیں ، آگے امام احمد رضا کے فرمان کو نقل کیا جا رہا ہے جس میں وہی ۲۷ ر ، ۲۸ ر تاریخ میں رویت ہلال

کا مسئلہ متعرض ہے:

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الرضوان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کی تاریخ اور دن کے تعین کے لیے رویت ہلال کی مذکورہ شرطوں کے پیشِ نظر شام دوشنبہ (پیر) ۲۹ر صفر وسطی ۱۱ھ کے لیے افق کریم مدینہ طیبہ کے لیے جزئیات مؤامرہ کی جدول تیار کر کے یہ حکم لگایا کہ "جب شب سہ شنبہ (منگل، ۲۹ر صفر) تک نیرین کا یہ حال تھا کہ وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا، تو اس سے دو ایک رات پہلے (یعنی ۲۸ر، ۲۷ر) کا وقوع بداہۃً محال تھا، اس رات (یعنی ۲۹ر کا دن گزرنے کے بعد رات) قمر صرف ۹ر درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ (اتوار) کو (یعنی ۲۸ر تاریخ کی شام کو) کئی درجے (یعنی تقریباً ۳ر درجے سے کچھ زیادہ) اس سے غربی تھا اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹہ پہلے ڈوبا اور شام شنبہ (ہفتہ) کو (یعنی ۲۷ر تاریخ کی شام کو) تو عصر کا اعلیٰ مستحب وقت تھا، جب چاند حجلہ نشین مغرب ہو چکا تھا، پھر (ان دونوں تاریخوں میں سے کسی تاریخ میں) رات کو رویتِ ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی" فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۶،

لیجیے! یہاں بھی فتویٰ کا کلیہ اپنے جزئیہ پر منطبق نہیں۔

عبارتِ بالا سے یہ واضح ہے کہ ۲۹ر تاریخ کو جب وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال ہو تو ۲۷ر، ۲۸ر کو رویت ہلال کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی۔ پاکستانیوں کا غیر متوقع احتمال سے ایک دو دن پہلے ہوائی جہاز سے (جبکہ

بلندی پر پہنچنے سے تقاطع کا حصہ حادہ سے احد اور رویت خفیف سے خفیف تر ہو جائے) ۲۷ر، ۲۸ر کو چاند دیکھنے کی روایت فرضی نہیں تو اور کیا ہوسکتی ہے؟ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس پہاڑیاں ہیں، امام احمد رضا نے یہ نہیں فرمایا کہ پہاڑ پر چڑھ کر اگر دیکھا جاتا تو رویت ممکن تھی؛ اس لیے کہ امام احمد رضا خوب جانتے تھے کہ ناظر جس قدر اوپر جائے گا، اسی اعتبار سے تقاطع کا مرئی حصہ کم سے کم تر ہوتا جائے گا: اس لیے ۲۹ر صفر کو جب زمین سے چاند دیکھنے کا غیر متوقع احتمال ہے تو پہاڑ کے اوپر سے اور زیادہ غیر متوقع ہو جاتا اور جب ہلال زمین سے دیکھنے پر حد رویت پر نہیں ہوسکتا تو کسی اونچائی سے دیکھنے میں بھی حد رویت پر نہیں ہوسکتا۔

ذیل میں ہم ''فقہی بصیرت'' سے کچھ ایسی عبارتیں نقل کرتے ہیں جو امام احمد رضا کی تصنیف ''جد الممتار'' کا فصیح ترجمہ ہیں۔ اس مضمون میں بھی ۲۸ر تاریخ کو رویت ہلال کی بابت مذکور ہے۔

أقول الحق ان شاءاللہ تعالٰی التفصیل معاملہ یہ ہے کہ یہاں دو باب ہیں

(۱) باب قواعد رویت ہلال

(۲) سیر شمس وقمر، ان کے طلوع وغروب اور منازل قمر کا باب

اوّل کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں؛ اس لیے کہ خود ان کا اس باب میں کثیر اختلاف ہے؛ کسی قطعی قول تک رسائی نہیں ہوسکی۔ جیسا کہ آشنائے فن سے مخفی نہیں؛

اس لیے مجسطی میں اس کی کوئی بحث نہیں رکھی، باوجودے کہ اس میں متحیرہ (planets) اور ثوابت (stars) کے ظہور و خفا پر بھی کلام کیا ہے؛ اس وجہ سے کہ انھیں معلوم تھا کہ رویت ہلال ایسی چیز ہے، جو ضوابط کی گرفت سے باہر ہے، یہی وہ باب ہے جسے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رد کردیا

ثانی بلاشبہ یقینی ہے، اس پر قرآن عظیم کی متعدد سورتیں شاہد ہیں، جیسے ارشاد باری ہے: "**الشمس والقمر بحسبان**" چاند اور سورج ایک حساب سے ہیں (الرحمٰن: ۵)، "**والشمس تجری لمستقر لھاذلک تقدیر العزیز العلیم**" اور سورج اپنے ٹھہراؤ کے لیے چلتا ہے، حکم ہے زبردست علم والے کا (یٰسٓ: ۳۸) اور "**والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم**" اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ہوگیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال (یٰسٓ: ۳۹)۔

تو اگر اہل حساب، علمائے عادل باب اوّل کی بنیاد پر یہ کہیں کہ رویت ممکن نہیں اور بینۂ عادلہ رویت کی شہادت دے تو شہادت قبول کی جائے گی۔

اور اگر باب ثانی کی بنیاد پر کہیں جیسا کہ مسئلہ دوم میں ہے، تو قطعی امر ہے، جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، کیونکہ عادۃً رویت ہلال ممکن نہیں، جب تک کہ چاند سورج سے دس درجے، بلکہ زیادہ دوری پر نہ ہو، تو دن میں طلوع آفتاب سے پہلے پھر رات میں غروب آفتاب کے بعد بھی اس کی رویت ہو تو یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ چاند نے دن بھر کے اندر بیس درجے سے زیادہ مسافت طے کرلی، جبکہ قطعاً

معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریباً بارہ درجے سے زیادہ مسافت طے نہیں کرسکتا تو اس میں سنتِ الٰہی کی تبدیلی لازم آئے گی، **"ولن تجدلسنة الله تبديلا"** اور خدا کی سنت میں ہر گز تمھیں کوئی تبدیلی نہ ملے گی، ایسی صورت میں صاحب علم قطعی طور سے یہ حکم کرے گا کہ گواہوں کو اشتباہ ہوگیا، اور قطعی کو رد نہیں کیا جاسکتا، شاید امام سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہی ہے، تو اس سے دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہوجائے گی، اور اس کی نظیر ہمارے اس رمضان، ۱۳۳۰ھ کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے سارے اطراف میں تمام لوگوں نے پنج شنبہ (جمعرات) کو روزہ رکھا، جبکہ چہار شنبہ (بدھ) کو ماہ رمضان کی اٹھائیس تاریخ تھی، تو بدایوں میں ہمارے دوست مولوی عبدالمقتدر صاحب کے یہاں تین، یا پانچ آدمیوں نے شہادت دی کہ انھوں نے چاند دیکھا ہے اور بدلی میں تھا، انھوں نے گواہی قبول کرلی اور لوگوں کو عید کا حکم دے دیا، جسے ان کے ماننے والوں میں سے چند ہی افراد نے قبول کیا، باوجودے کہ ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ گواہوں سے غلطی ہوئی، اس کی پانچ وجہیں ہیں سبھی باب ثانی پر مبنی ہیں، باب اوّل پر نہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ اس دن یعنی بدھ کو شمس وقمر کا اجتماع (new moon) رائج گھڑیوں سے نو بج کر اٹھارہ منٹ پر تھا اور غروب آفتاب چھ بج کر ۲۳ رمنٹ پر تو عادۃً یہ محال ہے کہ اجتماع کے نو گھنٹے چند منٹ بعد رویت واقع ہوجائے۔

(۲) دوم تقویم آفتاب اور تقویم قمر کے درمیان غروب شمس کے وقت

فصل تقریباً پانچ درجے سے زیادہ نہ تھی، آفتاب سنبلہ کے انیسویں (۱۹ر ویں) درجے میں اور چاند اسی کے تئیسویں (۲۳ر ویں) درجے میں تھا اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ محض اتنی فصل پر ہلال کی رویت اس کے خالق ذوالجلال کی سنت مستمرہ معلومہ کے خلاف ہے۔

(۳) قمر کا غروب مرکزی (یعنی چاند کے مرکز کا غروب) جس کا غروب ہلال میں اعتبار ہے، اس لیے کہ یہ چاند کے نصف اسفل میں ہوتا ہے، چھ بج کر انتالیس (۳۹) منٹ پر ہوا، یعنی غروب آفتاب کے سولہ منٹ بعد اور تجربہ سے یہ قطعاً معلوم ہے کہ غروب آفتاب کے بیس منٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صولت ہوتی ہے کہ عادۃً انتیسویں (۲۹ر ویں) کا چاند بھی اس میں نظر آنا ممکن نہیں، پھر جب ہلال حد رویت پر پہنچے گا، تو اس سے چند منٹ قبل زمین کے نیچے جا چکا ہوگا، تو نظر کیسے آئے گا؟

امام احمد رضا کی منقولہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ جب تک قمر آفتابی شعاعوں کی صولت سے باہر نہیں آجاتا، رویت محال ہے اور باہر آنے کے لیے بُعد معدل ہو یا بُعد سواء دس درجے سے زیادہ ہونا ضروری ہے، ۲۷ر، ۲۸ر تاریخ کو بوقت غروب آفتاب اتنی دوری نہیں ہوتی، بلکہ ۲۸ر کو چاند تحت شعاع آفتاب ہوتا ہے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ چاند، سورج دونوں ہی تقریباً ساتھ ساتھ ہی غروب ہوں گے اور ۲۷ر کو چاند، آفتاب سے پہلے ہی غروب ہوجاتا ہے؛ اس

لیے دونوں تاریخوں میں رویت ہلال کسی طرح ممکن نہیں، انسان پہاڑ پر چڑھ جائے خواہ ہوائی جہاز سے بلندی پر پرواز کر جائے، اس سے چاند، سورج کی تقویم اور ان کے بُعد معدل کے درمیان کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نہ آفتابی شعاعوں کی صولت سے چاند باہر آجاتا ہے، بلکہ انسان جس قدر اوپر اٹھتا جائے گا قمر کے زیریں تقاطع کا حصہ کم سے کم ہوتا جائے گا، اس لیے ۲۷ر، ۲۸ رتاریخ کو رویت ہلال محال ہے، اگرچہ دائرۂ رویت اور دائرۃ النور کے درمیان فی نفس الامر تقاطع ہو۔

جاری ہے۔۔۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جون، ۱۹۹۹ء)

20180713

ناشر

ادارہ عرفان التوقیت

فون نمبر: +92 332 3531226

fb.com/ilmetauqeet

دوسری آخری قسط

یہ مضمون چونکہ خالص علمی ہے؛ اس لیے عام قارئین کا خیال کرتے ہوئے برائے تفہیم مختصر انداز میں کہا جا سکتا ہے کہ

(۱) امام احمد رضا فرماتے ہیں ''جبکہ قطعاً معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریباً ۱۲/درجے سے زیادہ مسافت طے نہیں کرتا''

(فقہی بصیرت، ص ۵۰)

(۲) امام احمد رضا فرماتے ہیں ''ماہِ قمری ۳۰/دن سے زیادہ اور ۲۹/دن سے کم نہیں ہوتا۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۳۰)

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اگر ۲۸/تاریخ کو اجتماع ہو تو پورے ایک دن رات میں ۱۲/درجے مسافت طے کرنے کی وجہ سے قمر اور سورج کے مابین اتنا بُعد (فاصلہ) حاصل ہو جائے گا، جو رویت کے لیے شرط ہے اور ۲۹/تاریخ کو رویت ممکن ہو جائے گی ؛اس لیے ۲۹/کو اگر رویت ہو تو ۲۸/تاریخ کو قمرین کے باہم اجتماع ہونے کی وجہ سے دونوں کا غروب ساتھ ساتھ ہوگا، لہٰذا ۲۸/تاریخ کو رویت کی کوئی صورت ہی نہیں، ۲۷/تاریخ کو قمر سورج سے پہلے ڈوب جائے گا تو پھر رویت کا مسئلہ بھی نہیں اُٹھتا، اور اگر ۲۸/کے بعد اجتماع ہو تو ۲۹/کے بجائے ۳۰/کی رویت ہوگی، ۲۸/

اور ۲۷ رکو چاند آفتاب سے پچھّم (مغرب) ہوگا، اور آفتاب سے پہلے ہی ڈوب جائے گا،لہٰذا ۲۸ رہو، یا ۲۷ ران تاریخوں میں رویت قطعاً ممکن نہیں؛اس لیے ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کے بعد بھی ۲۷ ر، ۲۸ رتاریخوں میں چاند دیکھنا قطعاً محال۔

رویت ہلال کے حساب لگانے میں بُعد سواء اور بُعد معدل کے استخراج کے لیے شمس وقمر کے اجتماعِ حقیقی اوران کی حرکتِ تقویمی کا لحاظ ہوتا ہے، اگر اجتماع کے بعد بُعد سواء اور بُعد معدل دونوں ہی اپنی شرط پر ہوں تو رویت کا امکان ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔ اور چونکہ یہ حرکت غیر منضبط ہوگی (**کمامَرّ**)؛اس لیے یہ اجتماع کبھی دن کے کسی حصے میں ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے ہلال کے حد رویت کا مقام اور افق بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح چاند کے اماوَس میں داخل ہونے اور اماوَس سے باہر آنے کے اوقات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں، لیکن سہولت کے لیے باعتبار امر اوسطیہ مانا جاتا ہے کہ جب ۲۷ ر یوم، ۷ ر گھنٹے اور ۴۴ رمنٹ کی مدت گزر جاتی ہے تو چاند اماوَس میں آجاتا ہے، جسے لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند چھپ گیا، اور ۲ ر یوم، ۵ ر گھنٹے تک اماوَس میں رہتا ہے اور اس مدت کے درمیانی وقت میں اجتماع ہوتا ہے یعنی اماوَس کے آغاز سے ایک یوم، دو گھنٹے اور ۳۰ رمنٹ بلفظ دیگر ۲۸ ر یوم، ۱۰ ر گھنٹے اور ۱۴ ر منٹ میں اجتماع ہوجاتا ہے اور حالتِ اجتماع سے وضع ہلالی تک آنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے، ۲۹ ر یوم، ۱۲ ر گھنٹے اور ۴۴ ر منٹ کے بعد ہلال امکان رویت کے تحت آجاتا ہے۔

اجتماع نیرین سے کچھ دنوں پیش تر چاند سورج سے پچھّم (مغرب) اور پھر

اجتماع کے بعد پورب (مشرق) پہنچ جاتا ہے، تو اگر اجتماع ۲۸ ریوم، ۱۰ر گھنٹے اور ۱۴ر منٹ پر مانا جائے تو چاند ۲۷ر اور ۲۸ رکو بھی یقیناً سورج سے پچھّم (مغرب) ہونے کی وجہ سے آفتاب سے پہلے ہی غروب ہوجائے گا۔ سطح زمین، یا کسی اونچی جگہ سے چاند کی طرف نظر کرنے کی صورت میں بہر حال آفتاب کی تیز شعاعیں حائل ہوجائیں گی، چونکہ چاند پچھّم (مغرب) اور سورج پورب (مشرق) ہے؛ اس لیے ان تاریخوں میں چاند نظر آنے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا اور اگر اجتماع ۲۷ر اور ۲۸ر کے درمیان مانا جائے تو ۲۷ر کے دن قمر سورج سے پچھّم (مغرب) ہونے کی وجہ سے پہلے ہی ڈوب جائے گا؛ اس لیے رویت کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا، البتہ ۲۸ر کے دن قمر سورج سے پورب (مشرق) ہونے کی وجہ سے بعد میں غروب کرے گا، مگر اس قلیل مدت میں بُعد سواء اور بُعد معدل کی شرط حاصل نہ ہونے کی وجہ سے قمر آفتابی شعاعوں کی صولت میں گم ہوجائے گا، اور ساتھ ہی قدر معتد بہ کا تقاطع بھی حاصل نہ ہوسکے گا، اور اگر ہوائی جہاز سے پرواز کرکے اونچائی پر پہنچا جائے تو یہ قدر غیر معتد بہ بھی لا پتہ ہوجائے گی اس لیے ان تاریخوں میں رویت کی بات ہی بیکار ہے، الغرض یہاں بھی فتویٰ کا کلیہ ٹوٹ جاتا ہے؛ اس لیے یہ بالکل صحیح اور حق بات ہے کہ فتویٰ میں درج شدہ کلیہ ایسا کلیہ ہے، جو اپنے جزئیات میں سے کسی پر منطبق نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ۲۹ر تاریخ کو رویت ممکن ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ جزئیات مؤامرہ کی روشنی میں ہوتا ہے، اگر اس تاریخ کو بُعد معدل اور

بُعد سواء اپنی شرط پر ہوں تو ممکن ہے، ورنہ نہیں۔ باقی ۲۷ر، ۲۸ر کی تاریخوں کے لیے استخراج تقویم کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کہنا کافی ہے کہ ۲۸ر تاریخ کو قمرین اجتماع، یا قرب اجتماع کی حالت میں ہوتے ہیں؛ اس لیے آفتابی شعاعوں کی صولت کی وجہ سے چاند ہرگز نظر نہیں آسکتا، اور ۲۷ر کو چونکہ چاند آفتاب سے کم از کم ۱۲ر ڈگری پچھّم (مغرب) ہوتا ہے؛ اس لیے وہ غروب آفتاب سے کم از کم ۴۸ر منٹ پہلے ہی ڈوب جاتا ہے اس لیے اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں۔ ہم نے اپنے موقف کے لیے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، لیکن امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں ۲۹ر صفر وسطی کی رویت کے امکان اور عدم امکان کی بحث چھیڑی؛ اس لیے وہاں ضروری ہوا کہ جزئیات مؤامرہ کی جدول تیار کر کے حکم صادر فرمائیں، اور جب ایک دو دن پہلے بات آئی تو بلا جدول یہ کہہ کر کام تمام فرمادیا کہ شام یکشنبہ (اتوار) اور شام شنبہ (ہفتہ) کو تو قمر غروبِ آفتاب سے پہلے ہی ڈوب گیا۔ تو کیا زمین چیر کر رویت ہوتی؟ جد الممتار میں جس فتویٰ پر بحث کی گئی ہے وہاں بھی یہی حال تھا کہ دن تو متعین تھا، لیکن تاریخ مختلف فیہ تھی، کچھ لوگ ۲۹ر اور کچھ لوگ ۲۸ر کہتے تھے؛ اس لیے رویت ہلال کے استحالہ پر دلیل لانے کے لیے تقویم کی بحث لانی پڑی، تاکہ فریق ثانی پر حجت قائم کی جاسکے۔

یہاں بطور معارضہ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ "چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے اور کوہ ہمالہ کی چوٹی پر پہنچ کر اگر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے (جبکہ ہوائی جہاز ۲ر اور $2\frac{1}{2}$ر میل ہی اوپر اڑتا

ہے اور کوہ ہمالہ کی چوٹی ۵ رمیل اوپر ہے) تو کیا ۲۷ر، ۲۸ رکو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔

صحتِ انتساب کے قائلین پر اس معارضہ کا بھی جواب دینا بہت ضروری ہے

وَدُونہ خَرطُ القتاد

فکروفن، ہیئت وزیجات کے جتنے مباحث پیش کیے گئے ہیں اگر ان میں صرف نظر کر کے صرف فتویٰ کی عبارت پر بھی غور کیا جائے تو اس میں متضاد امور مذکور ہونے کی وجہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ فتویٰ سرکار حضور مفتی اعظم ہند کا نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا! ہرگز نہیں ہوسکتا!! اس بات کو سمجھنے کے لیے چند امور ذہن میں رکھنا ضروری ہیں:

(۱) زیر بحث فتویٰ میں جہاں چاند نظر آنے، یا نہ آنے کی بات ہے وہاں چاند سے مراد اس کا ہلالی حصہ ہے

(۲) یہ ہلالی حصہ جو شرعاً معتبر ہے وہ چاند کے نصف اسفل (نیچے والا) ہی میں ہوتا ہے، جسکی رویت پر حکم شرع ہوتا ہے، امام احمد رضا کا فرمان ماسبق میں گزرا ''قمر کا غروبِ مرکزی، جس کا غروب میں اعتبار ہے، اس لیے کہ یہ چاند کے اسفل میں ہوتا ہے''

(۳) یہ ہلالی حصہ اسی وقت نمودار ہوسکتا ہے، جبکہ سورج غروب ہوجائے، ورنہ ناظر وقمر کے درمیان شعاع شمسی کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند کا نمودار ہونا محال ہے۔

(۴) بوقت غروب آفتاب قمر سورج سے پورب (مشرق) تقریباً دس درجے سے زیادہ افق کے اوپر ہو اور سورج قمر سے اتنی ہی دوری پر پچھّم (مغرب) ہو (**کمامرّ مراراً**) اس تمہید کے بعد غور کیجیے اور زیر بحث فتویٰ کی تحلیل فرمائیے، فتویٰ میں درج ہے "چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے" یعنی جہاں وقت غروب آفتاب چاند افق پر علیٰ حدِ رویت ہوتا اور غروب نہیں ہوتا، مثلاً مقامات غربیہ میں وہاں ۲۹ر کو نظر آجاتا ہے اور جہاں غروب ہوجاتا، مثلاً: مقامات شرقیہ میں وہاں ۲۹ر کو نہیں، بلکہ ۳۰ر کو نظر آتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۲۷ر، ۲۸ر کو دنیا کی کسی بھی جگہ سے چاند کیوں نظر نہیں آتا؟ تو فتوے کے حکم کے مطابق جواب یہ ہے کہ ان تاریخوں میں اگر چہ چاند فنا نہیں ہوتا، لیکن غروب آفتاب کے وقت، یا اس سے پہلے ہی غروب ہوجاتا ہے؛ اس لیے نظر نہیں آتا، پھر آگے فتویٰ میں ارشاد ہے "جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے، تو کیا ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔"

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اب مزید غور فرمائیے کہ جب ۲۷ر، ۲۸ر کو قمر آفتاب کے ساتھ، یا اس سے پہلے غروب ہو چکا تو یہ صورت یقیناً اجتماع قمرین کی ہوگی، یا پھر قمر سورج سے پچھّم (مغرب) تھا، اس لیے حسب تمہید (۳) اور (۴) ہلالی حصہ نمودار نہیں ہوسکتا کہ اس کے لیے قمر کا سورج سے پورب (مشرق) ہونا ضروری ہے اور یہاں ایسا نہیں، تو پھر خواہ زمین سے مشاہدہ کرے، خواہ بلندی سے، ہلال کیسے نظر آسکتا ہے،

بفرض محال وبطریق تنزل اگر کچھ بھی ہلالی صورت نمودار ہوجائے تو بلندی سے دیکھنے میں وہ حصہ بھی معدوم ہوجائے گا(**کمامرّ سابقا**)اور ساتھ ہی جب قمر سورج سے پچھّم (مغرب)ہوگا تو اونچائی سے قمر کو دیکھنے کی صورت میں آفتابی شعاعیں ضرور حائل ہوں گی کہ سورج ،چاند سے پورب (مشرق) ہے، کیونکہ بلندی سے اگر ڈوبا ہوا چاند نظر آسکتا ہے،توسورج جو چاند سے پورب (مشرق) ہے وہ نگاہ کے سامنے آئے گا،اور صورت اجتماع میں چونکہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں ،اس لیے چاند کی طرف نظر کرنے میں سورج کی شعاعوں کا حائل ہونا بدیہی (لازم) ہے،اس لیے ہلال تو کیا،چاند بھی نظر نہیں آئے گا۔

چنانچہ جب ۲۷ر، ۲۸رتاریخ کورویت کی کوئی صورت نہیں تو پھر یہ تفریع کیونکر درست ہوگی کہ ۲۷ر،۲۸رکو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷ر،۲۸رکو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا؟

الغرض فتوے کی عبارت متضاد باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بدیہی البطلان (لازماً غلط) ہے، ہاں اگر فتویٰ میں بجائے غروب کے یہ عبارت ہوتی کہ ’’چاند فنا نہیں ہوتا بلکہ چھپ جاتا ہے جیسے اماوَس کے زمانہ میں ہوتا ہے،اس لیے وہ کہیں ۲۹رکو نظر آتا اور کہیں نظر نہیں آتا ہے، جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہوتو ۲۷ر، ۲۸رکو بھی نظر آسکتا ہے‘‘۔تو عبارت جامع اور مختصر ہوجاتی، اگرچہ یہ بات فی نفسہ صحیح نہیں،لیکن صورۃً قابل قبول معلوم ہوتی ،**ترکناتفصیلہ بلااختیار**

کاش !!کوئی بتادیتا کہ پاکستانی واقعہ کس سال اور کس ماہ قمری میں واقع ہوا

تھا؟ تو میں تقویمات استخراج کر کے مزید ثابت کر دیتا کہ یہ محض کہانی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہی نہیں، بلکہ اس فتویٰ میں ایک بڑی قباحت اور ہے، جس کی وجہ سے اس کا انتساب قطعاً حضور مفتیِ اعظم ہند کی طرف درست نہیں، اس کے لیے ایک تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جس طرح آفتاب فلک کی گردش کی وجہ سے طلوع سے غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اسی طرح قمر بھی طلوع سے غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اس نصف فوقانی میں جب تک رہتا ہے وہ نظر آ سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض حالات میں، مثلاً اماوس میں، یا قربِ شمس کے وقت وہ نظر نہیں آ سکتا، اور بدرِ کامل اور کامل گہن کے علاوہ تمام اوضاع میں قمر پر دائرۂ رویت اور دائرۂ نور کا تقاطع ہوتا ہے لیکن ہلال نہ ہر تقاطع کے حصہ کو کہتے ہیں اور نہ ہلال کی رویت (جس پر ۲۹ر کے مہینے کا شرعاً حکم ہوتا ہے) ہر دن ہوتی، ہر دن جو تقاطع نظر آتا ہے، یا آ سکتا ہے، وہ ہلال کے علاوہ دوسری وضع ہے، جسے ہم چاند ہی کہتے ہیں، ورنہ پھر پورے مہینے کے کسی بھی دن مثلاً ۶، ۷، ۸، ۹ وغیرہ کو بھی رویت ہلال مان کر شرعاً ایک مہینے کے اختتام اور دوسرے مہینے کی ابتدا کا حکم دینا صحیح ہو جائے گا۔ یہاں چونکہ بحث اس ہلال کی ہے جس پر ایک مہینے کے اختتام اور دوسرے مہینے کی ابتدا کا مدار ہے، یعنی ۲۹ رویں کے ہلال کی، رہی ۳۰ تاریخ تو اس میں ہلال نظر آئے، نہ آئے، اس پر حکم کا مدار نہیں، اس لیے ہلال عندالشرع قمر کے اس حصۂ تقاطع کا نام ہے، جو اماوس کے بعد ۲۹ر کی شام کو بعد غروب

آفتاب افقِ غربی پر نظر آنے کے قابل ہوتا ہے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات علی الزیج الایل الایلخانی میں معرفت وقت رویت الھلال کے تحت ہے، **"والذی هو مستعمل فی أکثر الاوقات الیوم التاسع والعشرین ماضیاأی من الاجتماع فی وقت غروب الشمس نستخرج فیه تقویم النیرین"** الخ (ص:۱۳۵)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ "بہادر خانی" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "در دانستن رویت اہلہ روز بست ونہم از ماہ عربی تقویم آفتاب وماہ" الخ (ص:۱۵۷)

اس تمہید کے بعد ذرا فتویٰ کے الفاظ کو ملاحظہ کریں اور "ہوائی جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے پر ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے، تو کیا ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا" استفہام انکاری بتاتا ہے کہ حکم نہیں دیا جائے گا، اس استدلال کا مطلب یہ ہے کہ بذریعہ ہوائی جہاز اگر چاند نظر آئے تو لازم آئے گا کہ ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے، مگر ۲۷ر، ۲۸ر کو چاند کا حکم دینا باطل: اس لیے بذریعۂ ہوائی جہاز چاند دیکھنا باطل۔ مگر افسوس!! کہ فتویٰ نگار نے یہ غور نہیں کیا کہ ان تاریخوں میں (بفرض محال) اگر نظر آسکتا ہے تو چاند نظر آسکتا ہے، ہلال نہیں: اس لیے کہ ہلال تو وہ حصۂ تقاطع ہے، جو ۲۹ر کی شام کو بوقت غروب شمس افق غربی پر نظر آنے کے قابل ہوتا، مہینے کے آغاز ہونے کے بعد سے ۲۸ر تاریخ بلکہ ۲۹ر تاریخ کی صبح تک جو نظر آتا ہے، یا آسکتا ہے وہ ہلال ہی نہیں ہے، وہ تو محض چاند ہے جس پر حکم شرع نہیں ہوتا، یعنی یہاں مقدم و تالی میں علاقۂ لزوم ہی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہو کہ لازم آتا ہے ۲۷ر،

۲۸؍کو بھی چاند کا حکم دیا جائے۔ اس صورت میں حکم نہ دینے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ جہاز سے بلندی پر جاکر چاند دیکھا گیا، بلکہ حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ (بفرض محال) اگر ۲۷؍، ۲۸؍کو بلندی پر جانے سے نظر آیا تو وہ چاند نظر آیا، ہلال نظر نہیں آیا، اور حکم شرع چاند دیکھنے پر نہیں ہوتا، بلکہ رویت ہلال پر ہوتا ہے، یہاں ۲۷؍، ۲۸؍کو رویت ہلال ہی نہیں ہوئی، بلکہ در اصل چاند دیکھا گیا۔ الغرض استدلال میں جو لازم ہے وہ مدار حکم نہیں، اور جو مدار حکم ہے وہ لازم نہیں؛ اس لیے ۲۷؍، ۲۸؍کو چاند کا حکم نہیں دیا جائے گا، ورنہ اگر سطحِ ارض سے کسی بھی تاریخ کو مثلاً ۶؍، ۷؍کو چاند دِکھے تو کیا ابتدائے ماہ کا حکم دیا جائے گا؟ ہر گز نہیں؛ اس لیے کہ ۶؍، ۷؍کو جو یہاں دیکھا گیا وہ چاند تھا اور حکم شرع چاند دیکھنے پر نہیں، بلکہ رویت ہلال پر ہوتا ہے؛ اس لیے اگر ۲۷؍، ۲۸؍کو چاند کا حکم نہ دیا جائے تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ ۲۹؍کو بھی حکم نہ دیا جائے۔

اس لیے ۲۹؍کو خواہ زمین سے ہو یا ہوائی جہاز سے، بہر حال ہلال دیکھا گیا ہے اور ۲۷؍، ۲۸؍کو ہلال نہیں، بلکہ چاند، چاند ہلال کے علاوہ دوسری وضع میں دیکھا گیا ہے، اس لیے دونوں کے حکم میں کوئی علاقہٗ لزوم نہیں ہے، **فافترقا!**

ان باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار ہلال اور چاند کے مابین فرق نہیں جانتا اور نہ ہلال کے دیکھنے کی تاریخ اور اس کی رویت کے وقت سے واقف ہے۔

اس قسم کی بے ربط اور بے سر و پا باتیں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنے والے حضرات پر یہ ضروری ہے کہ اس فتوی سے متعلق زیجات، فرامین

امام احمد رضا اور معارضات جو کچھ پیش کیے گئے ان سب کی صفائی پیش کریں ورنہ ہم اپنے موقف پر برقرار رہیں۔

میرا مطبوعہ سابق مضمون اور یہ پیش نگاہ مضمون ، دونوں کو پڑھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ زیر بحث فتویٰ اور پاکستانی واقعہ فلکروفن اور اعلیٰ حضرت کے کلام سے متعارض ہیں؛اس لیے اب یہ صورت ہے کہ

(۱) دونوں میں زیر بحث فتویٰ صحیح ، امام احمد رضا کا قول غلط ہے

(۲) امام احمد رضا کا قول صحیح ،زیر بحث فتویٰ غلط ہے

(۳) زیر بحث فتویٰ کا انتساب غلط ہے، امام کا قول صحیح ہے

(۴) نہیں نہیں دونوں صحیح ہیں

رفع تعارض کی صورتیں ہیں ،ہم نے تیسری صورت اختیار کر لی ہے، اگر کوئی اس کے علاوہ کوئی صورت اختیار کرتا ہے،تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے قول کی توجیہ کرے۔

زیر بحث فتویٰ میں مذکور بالا قباحتوں کے علاوہ ایک بہت بڑی قباحت یہ بھی ہے کہ ۲۸ رکو تو اجتماع کی وجہ سے رویت ہلال محال ہے، ۲۷ رمیں آفتاب کے غروب سے تقریباً ۴۸ رمنٹ پہلے ہی چاند ڈوب جاتا ہے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے وصال شریف کے موقع پر جزئیات موامرہ کی جدول کا استخراج فرمایا تو وہاں بھی انھوں نے فرمایا کہ ۲۷ رکو عصر کے مستحب وقت ہی میں چاند ڈوب گیا تھا۔ بہر حال چاند ۲۷ رکو وقت غروبِ آفتاب افق سے ۱۲ درجے مزید نیچے ہوتا ہے، جو ۲۸ رتاریخ کو حالتِ اجتماع

میں آجاتا ہے اور پھر ۲۹ رکو قابل رویت ہوتا، اس لیے ۲۷ رکو چاند تک نگاہ پہنچنے کے لیے علمِ مثلث کی روشنی میں سطح ارض سے ۸۰ ر، ۸۵ رمیل کی بلندی پر جانا ہوگا، اس کے لیے ہلکا سا اشارہ کرنے کے لیے ایک شکل پیش کی جاتی ہے، بغور توجہ فرمائیں۔

تصویر الف

(ا) سب سے چھوٹا دائرہ کرۃ الارض اس کے اوپر کرۃ البخار اور بڑا دائرہ فلک القمر ہے۔

<u>مقررات:</u> ج ا، خط افق غربی اور ج ب، مرکز عالم سے ۲۷ رکو قمر کی دوری دو لاکھ چالیس ہزار میل،،، و، ب وہ خط جو بلندی سے سطح ارض کو مس کرتا ہوا چاند تک پہنچتا ہے، ج 'د' مرکز عالم سے نقطہ مماس تک جانے والا نصف قطر ارض چار ہزار میل اور ج 'ء'

مرکز عالم سے جانب سمت الراس میں اس کی بلندی کی دوری جہاں سے چاند کو دیکھا جا سکتا ہے، ہ، ء سطح ارض سے جہاز کی بلندی، ہمیں اسی دوری کو معلوم کرنا ہے۔

یہاں مقصد حاصل کرنے کے لیے دو مثلث کا حل کرنا ضروری ہے، پہلا مثلث ج، و، ب اور دوسرا مثلث ء، و، ج۔

دائرہ کا نصف قطر جب دائرہ کو مس کرنے والے خط کے نقطۂ تماس تک پہنچتا ہے، تو وہاں اپنے دونوں پہلو پر وہ زاویہ قائمہ بناتا ہے، اس لیے مثلث "ج، و، ب" کے تینوں خطوط بشکل عروسی معلوم ہو جائیں گے اور تینوں ضلعے معلوم ہوئے تو پورا مثلث حل ہو گیا، اور زاویہ "و، ج، ب" معلوم ہو گیا، اور چونکہ ہم کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ زاویہ ء، ج، ب چاند کے ۱۲/درجے افق کے نیچے پہنچنے کی وجہ سے ۱۰۲/درجے ہے؛ اس لیے زاویہ و، ج، ب کو جب ہم ان سے تفریق کرلیں گے تو باقی زاویہ ء، ج، و ۱۲/درجے باقی رہ گیا، اس لیے دوسرے مثلث کا زاویہ ء، ج، و ۱۲/درجے معلوم اور زاویہ ء، و، ج بوجہ نقطہ تماس ۹۰/درجے معلوم، اس لیے زاویہ ج، ء، و ۷۸/درجے معلوم اور اس کے اتنے حصے معلوم تو اب ہمیں و، ج معلوم کرنا درج ذیل ضابطہ سے سہل ہو گیا۔

$$\frac{a}{\sin A} = \frac{b}{\sin B} = \frac{c}{\sin C}$$

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ضابطہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے ''در مثلث سطح مستوی است کہ آں جا نسبت جیب ہر زاویہ بوتر خویش چوں نسبت جیب زاویۂ دیگر بوتر آں ست'' **المعنی المجلی للمغنی الظلی** اس لیے اربعہ متناسبہ یوں قائم ہو گیا۔

۱ : ۹۸ :: ء، ج مجہول : ۴۰۰۰ چار ہزار

جس کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ ج ء= ۸۲.۴ میل ہے اور ہ ء= ۸۲ میل ہے، چونکہ حساب میں اعشاریہ سے صرف نظر کیا گیا ہے، اس لیے تقریبی جواب یہ ہوا کہ یہ بلندی تقریباً ۸۰/، ۸۵/میل ہے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''زمین کی ہر طرف کرۂ بخار، جسے عالم نسیم و عالم لیل و نہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵/میل یا قول اوائل پر ۵۲, میل اونچا ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص ۲۵۹)

علامہ شیرازی نے تحفہ میں لکھا ہے، **"ان کرة الهواء تنقسم الیٰ قسمین احدهما الهواء اللطيف الصافي من الأبخرة و الأدخنة المتصاعدة من كرتي الارض و الماء وثانيها الهواء الكثيف المخلوط بالابخرة و شكل هذاالهواء كرة مركزها مركز العالم و يسمى كرة البخار و عالم النسيم يعني مهب الرياح لان مافوقها من الهواء الصافي ساكن و كرة اليل و النهار، اذهي القابلة للنور و الظلمة دون مافوقها،** بحوالہ حاشیہ تصریح ص ۵۴ اور تصریح کی عبارت **"حتى يرى الشعاع المحيط به"** پر حاشیہ میں ہے **وكان الهواء المستضي بضياء**

الشمس لکثافة الحاصلة بسبب المجا ورة للارض والماء یعنی الھواء المستضی من کرة البخار فان الھواء الذی فوقھا لاتقبل الاستضاءة للطافة الخ ص ٦٨ اور حاشیہ شرح چغمینی میں ہے **ان ثخن کرة البخار احدو خمسون میلاو تسع و خمسون دقیقه الخ** ص ٢١

اور جب حال یہ ہے کہ لیل ونہار کا تحقیق صرف ٥٢ر میل اوپر ہی تک ہے، اس کے اوپر فقط تصور ہے، تو کیا پاکستان کے لوگوں نے عالم لیل ونہار سے بھی ٣٠ر میل اوپر جا کر ٢٧ر کا چاند دیکھا تھا اور ساتھ ہی قارئین کو معلوم ہے کہ ہمالہ کی چوٹی تقریباً ٥ر میل اونچی ہے، اس پانچ میل کی اونچائی پر اتنی برف باری اور ٹھنڈک ہوتی ہے کہ بلا کسی تحفظی سامان کے کوہ پیما وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا، تو ذرا غور فرمائیے کہ کوہ ہمالہ کی چوٹی سے بھی ٧٧ر میل اونچائی پر کیا حال ہوگا؟۔ یہ تو پاکستانیوں پر تبصرہ تھا، اب اصل فتویٰ کو ملاحظہ کریں کہ اول تو عام ہوائی جہاز کی پرواز عموماً زیادہ سے زیادہ دو، ڈھائی میل کے اندر ہی ہوتی ہے، اور ٢٧ر تاریخ کو رویت کے لیے ٨٢ر میل کی بلندی پر جانا ہوگا جو غیر ممکن ہے اور اگر وہاں پہنچ بھی جائے تو جس طرح چاند سامنے ہو جائے گا، اسی طرح سورج بھی آجائے گا کہ وہ چاند سے ١٢ درجے پورب (مشرق) ہے؛ اس لیے آفتابی شعاعوں کی صولت سے چاند کا نظر آنا محال، اور اگر بفرض محال نظر آ بھی جائے تو وہ چاند ہوگا، ہلال ہو ہی نہیں سکتا کہ ہلال تو وہ ہے جو وقت غروب آفتاب ٢٩ر کی شام کو افق غربی پر نظر آئے، **کمامر** یعنی سورج چاند سے پچھّم (مغرب) ہو اور یہاں ٢٧ر کو خود چاند سورج سے پچھّم

(مغرب) ہے؛ اس لیے ہلال کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شروع سے اخیر تک میرا یہ مقالہ پڑھیے اور بار بار پڑھیے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار زیجات کے حسابات سے بے خبر تھے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم تک ان کی نگاہ نہیں پہنچی۔ جد الممتار کی عبارت سے وہ غافل تھے۔ فتویٰ نگار وضع ہلالی اور غیر ہلالی کا فرق نہیں جانتے، وہ کسی بھی تاریخ کے حصۂ تقاطع کو ہلال سمجھتے تھے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ۲۸ر کو اجتماع ہوتا ہے، انھیں یہ پتہ نہیں تھا کہ ۲۷ر کو چاند دیکھنے کے لیے کتنی بلندی پر جانا ہوگا؟ نہ انھیں یہ خبر تھی کہ عالم لیل ونہار کی اونچائی کتنی ہے؟ نہ انھیں یہ خبر تھی کہ ۲۷ر کو چاند دیکھنے کے لیے عالم لیل ونہار سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچ کر کرۂ زمہریریہ سے گزر کر دوسرے طبقے میں پہنچ جانا پڑے گا، جہاں انسان تو کیا! خود ہوائی جہاز بھی ایک منجمد ڈھانچہ میں بدل جائے گا!! ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ کوہ ہمالیہ کی چوٹی، جو تقریباً ۵ر میل بلندی پر ہے، وہاں جب غضب ناک جان لیوا جھکڑ چلتا ہے تو پھر ۸۲ر میل کی اونچائی پر کیا حشر ہوگا؟ فتویٰ نگار کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اگر اتنی بلندی پر افق کے نیچے مجھے چاند نظر آسکتا ہے تو افق کے نیچے غائب ہونے والا سورج بھی نظر کے سامنے آجائے گا اور آفتابی شعاعوں کی صولت میں چاند کا دیکھنا محال ہوجائے گا۔ ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ ۲۹ر تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق غربی پر نظر آنے کے قابل تقاطع کو ہلال کہا جاتا ہے، جس پر امور شرعیہ کا حکم ہوتا ہے، ۲۷ر، ۲۸ر تاریخ میں جو تقاطع ہوتا ہے، اگر بفرض محال نظر آ بھی جائے تو وہ نہ ہلال ہے اور نہ اس پر حکم شرع کا

مدار ہے۔اس لیے فتویٰ میں یہ کہنا کہ ''جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷ر، ۲۸ر کو بھی چاند دیکھنے کا حکم دیا جائے گا'' سراسر بے محل اور لغو بات ہے، اس لیے کوئی اس فتویٰ کو مفتیِ اعظم ہند کی نگارش سمجھتا ہے تو سمجھا کرے، لیکن بندۂ ناچیز یہ کہتا رہے گا کہ کسی شاطر اور زیرک آدمی نے اسے اختراع کر کے پھیلایا ہے۔ العیاذ باللہ

سمٹ کر رہ گیا قطرے میں پھر بھی
جو بحر بیکراں تھا دل میں میرے

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فتویٰ میں حکم دیا گیا ہے کہ چاند سطح زمین، یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو، وہاں سے دیکھنا چاہیے، ہوائی جہاز سے بلندی پر سے دیکھنا شرعاً غیر معتبر ہے۔فتویٰ کا یہ جبری حکم بھی ذہن وفکر میں ہیجان پیدا کرتا ہے کہ جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ جس طرح پانی ایک جسم اور عنصر ہے، اسی طرح ہوا بھی زمین سے ملی ہوئی ہے اور جس طرح پانی رطب ہے، اسی طرح ہوا بھی رطب ہے، جس طرح پانی انسانی بوجھ کو نہیں سہار سکتا، اسی طرح ہوا بھی انسانی بوجھ کو نہیں سہار سکتی، جس طرح بذریعۂ واسطہ یعنی دخانی جہاز پر بیٹھ کر بحری سفر کیا جاتا ہے، اسی طرح بذریعۂ واسطہ یعنی ہوائی جہاز پر بیٹھ کر سفر کیا جاتا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سمندر میں دخانی جہاز پر بیٹھ کر اگر رویت ہلال ہو تو معتبر ہے اور فضا میں ہوائی جہاز پر بیٹھ کر رویت ہو تو غیر معتبر، جبکہ جس طرح پانی زمین سے ملا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی زمین سے ملی ہوئی ہے؛

اس لیے فتویٰ میں جو ضابطہ بیان کیا گیا کہ ''چاند ایسی جگہ سے دیکھنا چاہیے، جو زمین سے ملی ہوئی ہو؛ یہ بات دونوں جگہ، یا سمندر اور فضا میں کیوں مؤثر نہیں؟ چاند دیکھنا عبادت مقصودہ نہیں کہ اسے امر تعبدی کہہ کر سوال کو ٹال دیا جائے، یا رڈی کے کھاتے میں ڈال دیا جائے، بلکہ جو حضرات اس فتویٰ کے انتساب کو حق ماننے کے دعویدار ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ماخذ اور جزئیہ پیش کریں اور ساتھ ہی دونوں کے مابین وجہ فرق بیان کریں **ودونہ خرط القتاد**۔

یاد رہے مفتیِ اعظم ہند بغیر کسی سند، یا بغیر کسی ماخذ کے ایسا کبھی بھی نہیں فرما سکتے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ پانچ میل اوپر یعنی کوہ ہمالہ کی چوٹی سے رویت ہلال معتبر مانی جائے گی، لیکن اگر دس بیس یا پچاس فٹ اوپر فضا میں ہیلی کاپٹر روک کر رویت ہلال حاصل ہو تو یہ رویت معتبر نہیں۔ ان دونوں صورتوں کے مابین عقلی، یا نقلی توجیہ کرنا ضروری ہے، جس سے فرق واضح ہو جائے۔

عالی جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اپنے ایک مقالے میں رقم طراز ہیں کہ سب سے پہلے اس فتویٰ کو میں نے ہندوستان میں پیش کیا، اس کے بعد دوسرے لوگ اپنی تحریروں، یا تقریروں میں پیش کرتے رہے، یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ زیر بحث فتویٰ کی روایت خبرِ واحد کی سی ہے، اور جب یہ زیر بحث فتویٰ اس قدر نظری ہے تو خبر واحد کی بنیاد پر اس کی تشہیر قطعاً علم وفضل والے لوگوں کو زیب نہیں، بلکہ خبر واحد پر اعتماد کرنے کے جتنے مقتضیات ہیں، سب کو پورا کرنا ضروری ہے۔

وہ حضرات جو فقط انتساب کے انکار پر ہم پر اتنا برہم ہیں، ان کو چاہیے کہ ماضی کی اس روایت کے متعلق بھی غور کریں کہ سیدنا سرکار حضور مفتیِ اعظم ہند نے لاؤڈ اسپیکر سے متلق اپنا فتویٰ صادر کیا اور وقت کی عظیم ہستیاں مثلاً حضرت شاہ اجمل صاحب، شیر بیشۂ اہلسنت، حضرت برہان الملۃ، حضرت محدث اعظم ہند، ان کے علاوہ صدر العلما، سید العلما، شمس العلما اور دیگر بلند شخصیتوں نے اس فتویٰ کی تائید اور تصدیق فرمائی۔

لیکن سیدنا سرکار حضور مفتیِ اعظم ہند کی حیاتِ مقدسہ ہی میں ایک ٹولی نے ''منظر اسلام'' کی چہار دیواری میں بیٹھ کر اس کا رد کیا اور معاذ اللہ استہزا بھی اڑایا، لیکن لوگ سنتے رہے اور تماشائی بن کر خاموش بیٹھے رہے، اور آج ہم نے علم وفن اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کی وجہ سے فقط انتساب کا انکار کیا تو ہم کو بغاوت کا تمغہ دیا جا رہا ہے، جبکہ میرے مضمون کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس فتویٰ کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے، وہ سب اپنی فہمِ ناقص کے مطابق شبہات عرض کیے ہیں، اگر کوئی صاحب تحقیق تلاش و جستجو کر کے ہمارے شبہات کو دور فرما دیں تو میں ان کا بے حد ممنون ہوں گا۔

بفرض غلط اگر اس فتویٰ کا انتساب سیدنا سرکار حضور مفتیِ اعظم ہند کی طرف دلائل و براہین سے ثابت ہو جائے تو بہر حال یہ بات یقیناً غلط ہو گی کہ آئندہ ماہ پاکستان میں ہوائی جہاز جب بلندی پر گیا تو ۲۷ر اور اسی طرح ۲۸ر کو بھی چاند نظر آیا، رہی یہ بات کہ انتساب کی حقیقت پر میرا موقف کیا ہو گا، تو اس کا فقط ایک ہی جواب ہے کہ میرا یہ تطفل ہو گا، جس طرح ساڑھے اڑتالیس درجے عرض البلد کے متعلق شامی نے یہ فرمایا

کہ ''وہاں عشا کا وقت نہیں ہوتا اور وجہ یہ بتائی کہ چونکہ وہاں رات صرف تین گھنٹے کی ہوتی ہے، ڈیڑھ گھنٹہ وقت مغرب اور ڈیڑھ گھنٹہ فجر میں تمام ہو جاتا ہے، اس لیے عشا کا وقت ہوتا ہی نہیں''، لیکن امام احمد رضا نے ہیئت کی رو سے حساب کر کے بتایا کہ نہیں ایسا نہیں، وہاں آٹھ گھنٹے تک کی رات ہے، رہا عشا کا وقت وہاں کیوں نہیں ہوتا؟ تو وہ اس لیے کہ آفتاب وہاں کے افق سے اٹھارہ درجے نیچے نہیں جاتا، اسی طرح امام احمد رضا نے تطفل کہہ کر بہت سے متقدمین کی عبارت میں اپنا موقف ظاہر فرما دیا، اگر ایسا کرنا، جیسے امام نے تطفل فرمایا ہے یہ بغاوت ہے تو معاذ اللہ امام احمد رضا نے اپنے اسلاف اور متقدمین سے بہت سی بغاوتیں کی ہیں، العیاذ باللہ۔

مضمون کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں مَیں ان باتوں کو پیش کرنے جا رہا ہوں، جن کا اظہار قطعاً نا مناسب ہے، لیکن حالات کے پیش نظر ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔

(۱) جب مفتی افضل حسین اور ان کے ہم نواؤں نے لاؤڈ اسپیکر سے متعلق مفتی اعظم کے فتویٰ کا رد کیا تو اولاً اس بندۂ ناچیز نے مفتیِ اعظم ہند کے موقف کی وضاحت کر کے مفتی افضل حسین وغیرہ کا رد کیا، جسے آج بھی ''قول فصیل'' نامی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲) امام احمد رضا اور الجبر و المقابلہ

(۳) امام احمد رضا اور علم جفر

(۴) امام احمد رضا کی علم ہندسہ پر نقد و نظر

(۵) امام احمد رضا اور علم المساحة

(۶) امام احمد رضا اور علم التکسیر

(۷) امام احمد رضا اور لوگارثم

(۸) امام احمد رضا اور علم مثلث مسطح

(۹) امام احمد رضا اور مثلث کروی

(۱۰) امام احمد رضا اور ربع مجیب

(۱۱) امام احمد رضا اور اسطرلاب

(۱۲) امام احمد رضا اور اور خلا پیمائی

(۱۳) امریکی سمت قبلہ کی بحث میں ہم نے ہی امام احمد رضا کی تصنیف **"کشف العلہ عن سمت قبلہ"** کا مقام لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

(۱۴) "مفتیِ اعظم ہند باعتبار شیخ طریقت" آج بھی لوگ بار بار مطالعہ کرتے ہیں۔

(۱۵) ٹی وی کی تحقیق سے بریلی شریف کے دارالافتا کی حیثیت ہم نے ہی واضح کی ہے۔

(۱۶) مدنی میاں کے شبہات کا ازالہ لکھ کر ہم نے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں جو آج نوشاد حنفی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۷) تصویر کے متعلق مفتی اعظم ہند کے فتویٰ کے خلاف لکھنے والوں کی

زبانیں ہم نے بند کیں۔

اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی لکھے، پھر بھی ہم سے گلہ ہے کہ ہم وفادار نہیں۔

رائیگاں کیجیے آپ میری وفا، میرا کیا ہوگا اٹھ کر چلا جاؤں گا

کل کہیں آپ کو پھر نہ کہنا پڑے اک جبیں چاہیے سنگ در کے لیے

ان مضامین میں ہم نے فقط یہ نہیں لکھا کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ان علوم وفنون میں ماہر تھے، بلکہ ان کی مہارت کی مثال پیش کر کے نہایت ہی واضح انداز میں اس کی تشریح کی ہے، اہل علم جان سکتے ہیں کہ اس میں مجھے کتنی محنت اٹھانی اور عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی، یہ سب کارنامے پیش کرنا ایک باغی کا کام ہے یا وفادار غلام کا؟ ہم اہل علم کی عدالت سے فیصلہ چاہتے ہیں۔

آج ہندوستان میں فتاویٰ رضویہ سے متعلق پروفیسر سچتانند کے نام کے ساتھ بطور استفسار ایک سوال نامہ گردش کر رہا ہے، لیکن اپنی جماعت کے وہ لوگ جو خانوادۂ رضویہ کے سچے ہمدرد اور وفادار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس سوال نامہ کو چھوتے بھی نہیں، حالانکہ پروفیسر سچتانند کوئی معترض مخالف نہیں، بلکہ تفہیم وافہام کے طالب ہیں، آخر ایسا کیوں؟ یہ سوال نامہ میرے پاس بھی آیا ہوا ہے اور میں اس کے حل کے لیے مواد کی فراہمی میں لگا ہوا تھا کہ اچانک مجھے بغاوت کا تمغہ دیا گیا؛ اس لیے مجبوراً مجھے اس میدان سے ہٹ جانا پڑا، اے کاش! حوصلہ افزائی کے چند الفاظ سے ہی سہی، میرے احباب مجھے نوازتے۔

اسی طرح وہ پاکستانی علما جو اعلیٰ حضرت پر کام کرتے اور کراتے ہیں، جب **"عالی العطایا فی الاضلاع والزوایا"** کی طباعت فرمائی تو اس میں اعلیٰ حضرت کے آٹھ فارسی اشعار، جو علم مثلث کروی کے جملہ مسائل کو کامل طور پر محیط ہیں، علما کے سامنے برائے حل پیش کر کے فرمایا'' جن کا عکس شائع کیا جارہا ہے، ممکن ہے کوئی فن کا ماہر ان پر تحقیق کرے اور انھیں اردو میں منتقل کر کے ارباب ذوق کو استفادہ کا موقع فراہم کردے۔'' لیکن آج تک اعلیٰ حضرت کے وفاداروں کو ان کے حل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، اس بندۂ ناچیز نے ان کے حل کے لیے مبادی ومواد فراہم کر لیے تھے، لیکن جب یہ سامنے آیا کہ مجھے بغاوت کے تمغے سے نوازا گیا ہے تو پھر ہم نے تمام مبادی ومواد کو دریا برد کردیا۔

نوٹ: اس مضمون کی ترتیب چونکہ نہایت ہی عجلت کے ساتھ حالتِ علالت میں دی گئی ہے اس لیے اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو غور فرمائیں، اگر وہ محض تعبیر میں خامی ہے، تو خود ہی اصلاح کرلیں اور اگر معنوی خامی ہے جس سے میرے موقف پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو اسے نظر انداز کردیں، اور اگر اس سے میرا موقف مجروح ہوتا ہو تو مہربانی کر کے براہ راست مجھ سے رابطہ قائم کریں۔

دوسری گزارش اپنے مخالفین سے ہے کہ سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی طرف منسوب فتوے کی مستند اصل پہلے سامنے لائیں پھر پاکستانی رویت کا افسانہ کم از کم اخباروں کے عکوس ہی میں دکھائیں پھر آگے بات بڑھائیں، یہ نہیں کرسکتے اور ہرگز نہیں

کر سکتے تو سرکار مفتی اعظم کی علمی وجاہت وثقاہت کو مجروح کرنے سے خدارا باز آئیں، ورنہ عندالتحقیق ظالم وباغی آپ ہوں گے، بندۂ ناچیز نہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۹۹؛ تحقیقات امام علم وفن، ص:۳۱)

20180713

ناشر

ادارہ عرفان التوقیت

فون نمبر: +92 332 3531226

fb.com/ilmetauqeet